INTERNATIONAL JOURNAL OF
SOCIAL SCIENCES BULLETIN
ISSN: (E) 3007-1917 (P) 3007-1909

Volume 4, Issue 3, 2026

ادارۂ احتساب اور موجودہ مسائل: سیرتِ نبوی ﷺ کے انتظامی اصولوں کی روشنی میں مطالعہ

Muhammad Zahid Ul Hassan[*1], **Amna Tariq**[2], **Dr Wajid Ali Assistant Professor**[3]

*[*1,2]M.Phil. Scholar Department of Islamic Studies The Superior University Lahore, Pakistan*
[3]Department of Islamic Studies The Superior University Lahore, Pakistan

[*1]muhammadzahidulhassan69@gmail.com, [2]tariqamna095@gmail.com, [3]wajidasadi@gmail.com

Corresponding Author: *
Muhammad Zahid Ul Hassan
DOI:https://doi.org/10.5281/zenodo.21551540

Received	Accepted	Published
01 January 2026	17 March 2026	31 March 2026

ABSTRACT

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ

Indeed, Allah commands you to render trusts to whom they are due and when you judge between people to judge with justice.[1] ".

State authority is fundamentally a divine trust. The Prophetic mission established a society where this profound trust translated into a rigorous, impartial framework of public accountability. Modern nation-states, particularly within the developing Muslim world, grapple with severe institutional decay. Elite capture, political victimization, and systemic corruption have effectively paralyzed contemporary oversight mechanisms. Laws exist in abundance. Yet, they remain tragically subservient to political influence, procedural delays, and nepotism.

By critically analyzing classical Islamic texts, historical precedents from the life of the Prophet ﷺ, and modern administrative challenges, this study evaluates the structural collapse of current accountability institutions. The research employs a comparative textual methodology, juxtaposing modern governance failures with the pristine administrative principles of early Islamic history. A stark contrast emerges between today's double standards of justice and the Prophet's ﷺ unyielding commitment to absolute legal equality. Modern institutions struggle hopelessly with white-collar crimes and crony capitalism. The Prophetic model, however, proactively dismantled conflicts of interest, famously rejecting gifts for public servants as blatant corruption. The era of the Rightly Guided Caliphs further institutionalized this ethos through strict asset declarations and uncompromising public audits.

Contemporary systems focus almost entirely on reactive punitive measures. The Islamic paradigm intertwines external legal enforcement with deep internal self-accountability and the fear of divine judgment. Meaningful reform requires much more than just drafting new legislation. True transparency demands the revival of the Prophetic administrative spirit. Accountability institutions must be completely decoupled from executive political control, anchored purely in merit, and driven by an unwavering moral compass.

Keywords :*State Accountability, Prophetic Administration, Good Governance, Institutional Reform, Hisbah, Political Corruption, Islamic Jurisprudence.*

تعارف

کسی بھی عادلانہ اور مستحکم ریاستی نظام کی بقا کا مکمل دارومدار ایک ایسے فعال اور غیر جانبدارانہ نظامِ نگرانی پر ہوتا ہے جو نظمِ حکومت کے کارندوں کو حدودِ قانون کا پابند رکھے اور معاشرے کے تمام طبقات میں عدل وانصاف کی روح پھونکے۔ مروجہ مغربی سیاسیات میں اقتدار کو ایک مادی استحقاق اور مقتدرِ اعلیٰ کی مطلق العنان مرضی سمجھا جاتا ہے۔ مغربی مفکرین کے ہاں ریاست ایک سماجی معاہدے کی پیداوار ہے جس کا بنیادی مقصد شہریوں کے مادی حقوق کا تحفظ ہے۔ اسلامی نظامِ سیاست و اجتماعیت میں ریاست، حکومت اور مناصب

ایک مقدس الٰہی امانت ہیں۔ اس امانت داری کا بنیادی تقاضا ایک ایسا ہمہ جہت احتسابی نظام ہے جو حاکمِ وقت سے لے کر معاشرے کے ادنیٰ ترین فرد تک کو ایک کڑے ضابطۂ اخلاق کا پابند بناتا ہے۔ قرآنِ مجید نے اس ریاستی اور انتظامی فلسفے کی اساس کو نہایت جامع انداز میں بیان کیا ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ

"بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے حق داروں کے حوالے کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔"[2]

عصرِ حاضر کے انتظامی و ریاستی ڈھانچوں کا گہرا مطالعہ اس تلخ حقیقت کو آشکار کرتا ہے کہ موجودہ دور کی ریاستیں بدعنوانی، اقربا پروری اور ادارہ جاتی انحطاط کے شدید بحران کا شکار ہیں۔ ان خرابیوں کی اصل وجہ وسائل کی مادی قلت نہیں ہے۔ اصل سبب وہ اخلاقی زوال ہے جس نے احتساب کے پورے عمل کو سیاسی انتقام اور مقتدر طبقات کے تحفظ کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ جب ریاستی مشینری اپنے اصل مقاصد سے ہٹ کر چند مخصوص خاندانوں اور کارپوریٹ گروہوں کے مفادات کی نگہبانی شروع کر دے تو معاشرے کا ادارتی اعتماد منہدم ہو جاتا ہے۔ نامور مسلم مفکر اور ماہرِ عمرانیات علامہ ابن خلدون نے صدیوں قبل اس عمرانی المیے کی نشاندہی کی تھی۔ انہوں نے واضح کیا تھا کہ جب کسی نظامِ حکومت سے عدل رخصت ہو جائے اور حکمران طبقہ قانون کی گرفت سے آزاد ہو کر من مانی کرنے لگے تو ریاست کا زوال یقینی ہو جاتا ہے۔ وہ ظلم کو محض جسمانی تشدد تک محدود نہیں رکھتے۔ ان کے نزدیک اختیارات کا ناجائز استعمال اور معاشی استحصال تہذیبوں کی بربادی کا اصل سبب ہے[3]۔

جدید جمہوری اور نیم جمہوری نظاموں میں احتساب کی مادی شکلیں اور قوانین کثرت سے موجود ہیں۔ ان قانونی ضابطوں میں وہ روحانی اور اخلاقی قوت مفقود ہے جو انسان کے باطنی ضمیر کو بیدار کرتی ہے۔ محض کاغذوں پر لکھے ہوئے قوانین کسی بیوروکریٹ یا سیاست دان کو بدعنوانی سے نہیں روک سکتے جب تک کہ اس کے اندر جوابدہی کا شعور بیدار نہ ہو۔ حکیم الامت علامہ محمد اقبال نے جدید مادی سیاست کے اس کھوکھلے پن کو نہایت خوبصورتی سے بے نقاب کیا ہے:

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی[4]

سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا عمیق مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ ریاستِ مدینہ میں احتساب کا نظام محض بیرونی دباؤ یا پولیسنگ کا نتیجہ نہیں تھا۔ یہ ایک زندہ اخلاقی ماڈل تھا جس کی جڑیں خوفِ خدا اور جوابدہی کے ابدی احساس میں پیوست تھیں۔ عصرِ حاضر کے ریاستی مسائل، معاشی تفاوت اور عوامی بے اعتمادی کا پائیدار حل انھی انتظامی اصولوں کے احیاء میں مضمر ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے امت کو عطا فرمائے۔ جدید ریاستوں کو اس بات کا ادراک کرنا ہو گا کہ اخلاقیات سے عاری کوئی بھی قانونی ڈھانچہ طویل المدتی بنیادوں پر معاشرتی امن قائم نہیں رکھ سکتا۔

احتساب کا مفہوم

کسی بھی علمی یا ریاستی نظام کے مطالعے سے قبل اس کے اساسی تصورات کا فہم ناگزیر ہوتا ہے۔ احتساب موجودہ دور میں ریاستی نظم و نسق کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ یہ اپنے اندر وسیع لغوی اور شرعی معانی سموئے ہوئے ہے۔ علمِ اشتقاق کی رو سے لفظ "احتساب" عربی زبان کے مادہ "ح-س-ب" سے مشتق ہے، جو بابِ افتعال کا مصدر ہے۔ اس مادے کے بنیادی معانی گننا، شمار کرنا، جانچنا اور ثواب کی امید رکھنا ہیں۔ معروف ماہرِ لغت ابن منظور افریقی احتساب کے لغوی معانی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کا ایک معنی کسی کام پر اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کا امیدوار ہونا ہے، جبکہ اس کا دوسرا پہلو کسی کو برے کام پر ٹوکنا اور اس کا محاسبہ کرنا ہے[5]۔

حدیثِ مبارکہ میں 'احتساب' کا لفظ خالص نیت اور ثواب کی امید کے معنوں میں کثرت سے وارد ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ

"جس شخص نے رمضان کے روزے ایمان کی حالت میں اور ثواب کی نیت (احتساب) سے رکھے، اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے گئے۔"[6]

اسلامی فقہ اور سیاستِ شرعیہ میں احتساب کا اصطلاحی مفہوم "حسبہ" کے تصور سے براہِ راست جڑا ہوا ہے۔ اسلامی شریعت میں حسبہ ایک باقاعدہ ریاستی ادارہ رہا ہے جس کا کام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کی ریاستی سرپرستی میں انجام دہی ہے۔ امام الماوردی نے احتساب کی جامع ترین اصطلاحی تعریف اپنی مایہ ناز تصنیف میں ان الفاظ میں کی ہے:

الحِسْبَةُ: أَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ إِذَا ظَهَرَ تَرْكُهُ، وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ إِذَا ظَهَرَ فِعْلُهُ

"حسبہ (احتساب) سے مراد نیکی کا حکم دینا ہے جب اس کا ترک کرنا ظاہر ہو جائے، اور برائی سے روکنا ہے جب اس کا ارتکاب سرِعام ہونے لگے۔"[7]

جدید سیاسیات اور نظم و نسقِ عامہ کے تناظر میں احتساب سے مراد وہ ادارہ جاتی اور قانونی عمل ہے جس کے تحت عوامی عہدیداروں اور ریاستی اداروں کو ان کے فیصلوں پر جوابدہ ٹھہرایا جاتا ہے۔ موجودہ جمہوری نظاموں میں جوابدہی کا تصور مقننہ، عدلیہ اور انسدادِ بدعنوانی کے خصوصی اداروں کے باہمی تعامل پر کھڑا کیا گیا ہے۔ اس کا مقصد اختیارات کے ناجائز استعمال کو روکنا ہے۔ جدید تصورِ احتساب زیادہ تر مادی اور قانونی دائرے تک محدود ہے جس میں اخلاقی اور روحانی پہلو کی شدید کمی ہے۔

موجودہ ریاستی احتسابی نظام

پاکستان اور دیگر مسلم ممالک میں بدعنوانی کی روک تھام اور مالیاتی بے ضابطگیوں پر قابو پانے کے لیے باقاعدہ احتسابی ادارے قائم کیے گئے ہیں۔ قومی احتساب بیورو اور وفاقی تحقیقاتی ادارہ جیسے ادارے اسی غرض سے وجود میں لائے گئے کہ معاشرے میں قانون کی بالادستی کو یقینی بنایا جاسکے۔ ان اداروں کی کارکردگی کا غیر جانبدارانہ جائزہ اس تلخ حقیقت کو بے نقاب کرتا ہے کہ یہ اپنے قیام کے بنیادی مقاصد حاصل کرنے میں بری طرح ناکام رہے ہیں۔ اس ناکامی کی سب سے بڑی وجہ ان کی کارکردگی میں بے جا سیاسی مداخلت اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی ادارہ جاتی کمزوری ہے۔

احتسابی اداروں کی ساخت اس انداز سے ترتیب دی گئی ہے کہ بظاہر وہ خود مختار نظر آتے ہیں۔ حقیقت میں ان کا انتظامی ڈھانچہ حکومتِ وقت کے مکمل کنٹرول میں ہوتا ہے۔ ان اداروں کے سربراہان کی تقرری کا اختیار بالواسطہ یا بلاواسطہ سیاسی اشرافیہ کے پاس ہے۔ قائدِ ایوان اور قائدِ حزبِ اختلاف کی مشاورت سے جب کسی سربراہ کا تقرر ہوتا ہے تو عموماً ایسے فرد پر اتفاق کیا جاتا ہے جو ان کے سیاسی اور معاشی مفادات کے لیے خطرہ نہ بنے[8]۔ احتسابی عمل میں یہ ابتدائی سمجھوتہ ہی ادارے کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیتا ہے۔ جب کسی ادارے کا سربراہ اپنی تقرری کے لیے سیاسی اشرافیہ کا مرہونِ منت ہو تو اس سے یہ توقع رکھنا عبث ہے کہ وہ انھی افراد کے خلاف کڑی کارروائی کر سکے گا۔

اس سیاسی کنٹرول کے سائے میں میرٹ کی پامالی ایک عام روایت بن چکی ہے۔ اعلیٰ عہدوں پر تقرریاں خالصتاً اہلیت اور دیانتداری کے بجائے سیاسی وابستگیوں کی بنیاد پر کی جانے لگتی ہیں۔ حکومتی حلقے ہمیشہ ایسے افسران کو ترجیح دیتے ہیں جو ان کی ہدایات پر عمل کریں اور ان کی سیاسی بقا کے محافظ بنیں۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق کسی بھی منصب پر تقرری کے لیے اہلیت اور دیانتداری بنیادی شرائط ہیں۔ قرآنی حکم کے مطابق امانتیں ان کے اہل لوگوں کے سپرد کرنا لازم ہے۔ علامہ ابن تیمیہ اسلامی ریاست کے انتظامی اصولوں پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہر منصب ایک امانت ہے اور اس پر کسی ایسے شخص کو فائز کرنا جو اس کا اہل نہ ہو، یا محض ذاتی تعلق کی بنا پر کسی کو ترجیح دینا، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ خیانت کے مترادف ہے[9]۔

سیاسی مداخلت کا ایک گھناؤنا رخ احتسابی اداروں کو سیاسی انتقام کے آلے کے طور پر استعمال کرنا ہے۔ مسلم ممالک کی سیاسی تاریخ بتاتی ہے کہ جب کوئی نئی حکومت برسرِ اقتدار آتی ہے تو وہ احتسابی اداروں کا رخ اپنے سیاسی مخالفین کی طرف موڑ دیتی ہے۔ اپوزیشن رہنماؤں کو محض الزامات کی بنیاد پر یا تفتیش کے ابتدائی مراحل میں ہی حراست میں لے لیا جاتا ہے۔ حکومتی صفوں میں موجود بااثر شخصیات کے خلاف ٹھوس شواہد موجود ہونے کے باوجود کارروائی سے گریز کیا جاتا ہے۔ اس چنیدہ احتساب نے معاشرے میں قانون کی عملداری کے تصور کو مسخ کر دیا ہے۔ عوام کی نظر میں یہ ادارے انصاف فراہم کرنے والے خود مختار فورمز کے بجائے مقتدرہ کی ذیلی تنظیمیں بن کر رہ گئے ہیں۔ خوف اور دباؤ کے اس ماحول میں تفتیشی افسران اپنی ملازمتوں کے تحفظ کی خاطر کمزور شواہد پر مبنی مقدمات تیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، جو بالآخر عدالتوں میں ناکام ثابت ہوتے ہیں اور حقیقی مجرم باآسانی قانون کی گرفت سے بچ نکلتے ہیں۔

IEER
Institute for Excellence in Education & Research

قانون کا معیار

ادارہ جاتی عدم توازن اور چنیدہ احتساب کا ایک انتہائی خطرناک مظہر معاشرے میں قانون کے نفاذ کا دوہرا معیار ہے۔ جدید مسلم معاشروں کے احتسابی تناظر کا عمیق مطالعہ اس تلخ حقیقت کو بے نقاب کرتا ہے کہ احتساب کا شکنجہ نچلے درجے کے سرکاری اہلکاروں اور کمزور شہریوں کے لیے بے لچک اور سخت ترین ہوتا ہے۔ مقتدرہ اور سیاسی اشرافیہ کے لیے یہی نظام انتہائی نرم اور مصلحت پسندانہ رخ اختیار کر لیتا ہے۔ پبلک پالیسی اور سیاسیات کے ماہرین نے اس بگاڑ کو سمجھنے کے لیے بدعنوانی کو دو سطحوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی سطح چھوٹی بدعنوانی ہے جسے غریب کی بقا کی بدعنوانی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ عموماً نچلے درجے کے سرکاری ملازمین جیسے کلرکوں یا ماتحت عملے کی روزمرہ انتظامی امور کی انجام دہی کے دوران سامنے آتی ہے۔ دوسری سطح بڑی بدعنوانی ہے جو پالیسی سازوں، سیاست دانوں، اعلیٰ بیوروکریٹس اور بڑے تاجروں کے گٹھ جوڑ سے جنم لیتی ہے۔ اس میں اربوں روپے کے قومی وسائل کو ایک قلم کی جنبش سے ہڑپ کر لیا جاتا ہے[10]۔

معروف ماہرِ عمرانیات ایڈون سدرلینڈ نے سفید پوش جرائم کی اصطلاح متعارف کرواتے ہوئے واضح کیا تھا کہ یہ وہ جرائم ہیں جو معاشرے کے اعلیٰ سماجی حیثیت کے حامل اور بظاہر معزز افراد اپنے پیشے کے دوران انجام دیتے ہیں[11]۔ مسلم ممالک کے احتسابی اداروں کی بنیادی خامی یہ ہے کہ ان کا پورا انتظامی ڈھانچہ چھوٹی سطح کے جرائم کی کھوج لگانے کے لیے تو انتہائی چاق و چوبند رہتا ہے، لیکن جب یہ ادارے بڑی سطح کے پیچیدہ مالیاتی جرائم کا رخ کرتے ہیں تو ان کی تادیبی صلاحیتیں مفلوج ہو جاتی ہیں۔ بڑی بدعنوانی قانونی خلا، آف شور کمپنیوں اور بے نامی کھاتوں کی آڑ میں کی جاتی ہے۔ اسے ثابت کرنے کے لیے جس اعلیٰ سطح کی تفتیشی استعداد کی ضرورت ہوتی ہے وہ ان اداروں کے پاس مفقود ہوتی ہے۔

سفید پوش مجرم انتہائی بااثر ہوتے ہیں۔ وہ اپنے بچاؤ کے لیے مہنگے ترین کارپوریٹ وکلاء کی فوج کھڑی کر دیتے ہیں۔ یہ وکلاء قانون میں موجود معمولی سقم کا فائدہ اٹھا کر عدالتوں سے حکمِ امتناع حاصل کر لیتے ہیں اور تفتیش کو سالہا سال کے لیے لٹکا دیتے ہیں[12]۔ اس صورتحال میں احتسابی ادارے اپنی ناکامی پر پردہ ڈالنے کے لیے نچلے طبقے کے خلاف دائرہ تنگ کر دیتے ہیں تاکہ اپنی کارکردگی کے اعداد و شمار کو بہتر بنا کر پیش کر سکیں۔

جدید احتسابی نظام میں بڑی بدعنوانی پر نرمی کا سب سے بڑا قانونی ثبوت پلی بارگین اور رضاکارانہ واپسی کی سہولیات ہیں۔ بظاہر ان قوانین کا مقصد طویل عدالتی چارہ جوئی کے بغیر لوٹی گئی قومی دولت کو جلد واپس حاصل کرنا بتایا جاتا ہے۔ عملی طور پر یہ بڑی بدعنوانی کو قانونی تحفظ دینے کا ایک آسان ذریعہ بن چکے ہیں۔ ان قوانین کے تحت بااثر شخصیات

اربوں روپے کے غبن میں ملوث پائے جانے کے باوجود لوٹی گئی رقم کا ایک معمولی حصہ واپس کرنے کا معاہدہ کر کے جیل جانے اور کڑی سزا سے بچ جاتی ہیں[13]۔ اس عمل نے احتساب کے پورے تصور کو ایک تجارتی لین دین بنا کر رکھ دیا ہے جہاں مجرم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ پکڑا بھی گیا تو وہ لوٹے گئے مال کا کچھ حصہ دے کر اپنی آزادی خرید سکتا ہے۔

یہ دوہرا معیار اسلامی اصولِ عدل اور سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تعلیمات سے براہِ راست متصادم ہے۔ اسلام میں قانون کا نفاذ کسی طبقاتی تفریق کا قائل نہیں۔

قرآنِ مجید نے عدل وانصاف کی بنیاد اس اصول پر رکھی ہے کہ کسی بھی انسان کی سماجی حیثیت یا دولت اسے قانون کے کٹہرے سے بالاتر نہیں بنا سکتی۔ منشائے الٰہی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ

"اے ایمان والو! تم انصاف پر مضبوطی سے قائم رہنے والے اور اللہ کے لیے گواہی دینے والے بنو، اگرچہ وہ گواہی خود تمہاری ذات کے خلاف ہو یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہو۔"[14]

سیرتِ طیبہ میں اس آفاقی اصول کی سب سے روشن مثال غزوہ فتح مکہ کے موقع پر قبیلہ بنو مخزوم کی ایک معزز خاتون کی چوری کا واقعہ ہے۔ قریش کے اشراف کو یہ بات نہایت گراں گزری کہ ان کے ایک عالی نسب خاندان کی عورت پر حدِ سرقہ نافذ ہو۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے چہیتے صحابی سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سفارش کے لیے بھیجا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس سفارش پر شدید ناراضی کا اظہار فرمایا اور قانون کی حاکیت کا وہ سنہری اصول بیان فرمایا جس کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی:

إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَايْمُ اللَّهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا

"تم سے پہلے کے لوگ صرف اس وجہ سے تباہ ہو گئے کہ جب ان میں کوئی معزز اور بااثر شخص چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے، اور جب کوئی کمزور شخص چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے تھے۔ اللہ کی قسم! اگر محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔"[15]

یہ فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس بات کی واضح ترین دلیل ہے کہ جب ریاست کا سربراہ اور اشرافیہ خود کو قانون کے سامنے سرِ تسلیم خم نہیں کرتے اور قانون کو صرف غریبوں کے لیے مختص کر دیتے ہیں، تو وہ معاشرہ تباہی کے دہانے پر پہنچ جاتا ہے۔ اسلامی نظامِ قانون میں کسی بھی قسم کی پلی بارگین یا مال دے کر حد کی سزا سے بچنے کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔

احتساب کے فقدان کے اثرات

جب کسی ریاست میں احتسابی ادارے کمزور پڑ جاتے ہیں، مقتدر حلقے قانون سے بالاتر ہو جاتے ہیں اور شفافیت کا فقدان پیدا ہوتا ہے، تو اس کے نتیجے میں معاشرے اور معیشت پر انتہائی ہولناک اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہ اثرات کسی ایک دائرے تک محدود نہیں رہتے بلکہ ایک تسلسل کے تحت پورے ریاستی ڈھانچے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔

عام آدمی کا ریاستی اداروں پر سے اعتماد اٹھ جانا اس بحران کا سب سے پہلا اور گہرا سماجی ردِ عمل ہے۔ شہریوں کو جب یہ احساس ہو جائے کہ ان کا احتسابی اور عدالتی نظام نہ تو آزاد ہے اور نہ ہی شفاف، بلکہ وہ صرف مقتدر طبقات کے تحفظ کا ذریعہ ہے، تو وہ ریاست کو اپنا سرپرست ماننے سے انکار کر دیتے ہیں۔ ادارتی اعتماد کے اس خاتمے کے بعد انسان فطرتاً اپنے مسائل کے حل اور دادرسی کے لیے ماورائے عدالت اور غیر قانونی راستے تلاش کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ لوگ اپنے تنازعات کے حل کے لیے پنچایتوں، قبائلی جرگوں اور مافیاز کا رخ کرتے ہیں۔ ریاستی عدم دستیابی کے باعث پیدا ہونے والی یہ صورتحال ہجومی تشدد اور لاقانونیت کو جنم دیتی ہے جہاں مشتعل ہجوم قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر سڑکوں پر فیصلے کرنے لگتا ہے۔

اس احتسابی خلا کا براہِ راست تعلق معاشی استحصال اور قومی وسائل کے انخلاء سے ہے۔ جب ملکی خزانے پر قابض اشرافیہ اور نااہل بیوروکریسی کا کڑا محاسبہ نہ ہو تو قومی دولت منی لانڈرنگ اور آف شور اکاؤنٹس کے ذریعے بیرونِ ملک منتقل ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ سرمائے کے اس فرار سے ملکی معیشت کھوکھلی ہو جاتی ہے، زرمبادلہ کے ذخائر تیزی سے گرتے ہیں اور ریاست کو اپنا نظام چلانے کے لیے غریب عوام پر بالواسطہ ٹیکسوں کا بوجھ لادنا پڑتا ہے۔ شریعتِ اسلامی میں دولت کے اس ظالمانہ ارتکاز کو سختی سے روکا گیا ہے اور معاشی نظام کی بنیاد اس اصول پر رکھی گئی ہے کہ دولت چند مخصوص ہاتھوں میں سمٹ کر نہ رہ جائے۔ قرآنِ مجید نے اس معاشی حکمتِ عملی کو ان جامع الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ

"تاکہ یہ (مال) تمہارے مالداروں کے درمیان ہی گردش نہ کرتا رہے۔"[16]

احتساب کی عدم موجودگی اور وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم براہِ راست غربت اور بے روزگاری کو جنم دیتی ہے۔ روزگار کے مواقع میرٹ کے بجائے رشوت اور اقربا پروری کی بھینٹ چڑھ جائیں تو معاشرے کا تعلیم یافتہ اور باصلاحیت طبقہ مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب جاتا ہے۔ یہ بے روزگاری اور افلاس محض معاشی اعداد و شمار نہیں ہیں بلکہ یہ انسان کے اخلاقی اور ایمانی وجود کے لیے ایک سنگین خطرہ بن جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے غربت اور افلاس کے ان تباہ کن نفسیاتی و روحانی اثرات سے پناہ مانگی ہے:

كَادَ الفَقْرُ أَنْ يَكُونَ كُفْرًا

"قریب ہے کہ فقر (محتاجی و غربت) انسان کو کفر تک پہنچا دے۔"[17]

ریاست جب عدل فراہم کرنے اور احتساب کے فقدان کی وجہ سے ہونے والی زیادتیوں کو روکنے میں ناکام ہو جاتی ہے تو اس کی عملداری عملاً ختم ہو جاتی ہے۔ علامہ ابن خلدون اس تاریخی سچائی کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حکمران طبقے کا ظلم اور عوام کے وسائل پر ان کا ناجائز قبضہ تہذیبوں کی بنیادیں ہلا دیتا ہے[18]۔ ان کا یہ نظریہ کہ ظلم تہذیبوں اور ریاستوں کی تباہی کا اعلان ہے، جدید مقتدرہ کے ظالمانہ احتسابی رویوں اور ان کے ہولناک نتائج کی مکمل عکاسی کرتا ہے۔ جب ریاست کا اپنا خزانہ خالی ہو جائے، پیداواری عمل رک جائے اور معاشی مافیاز طاقتور ہو جائیں، تو ملک عالمی مالیاتی اداروں کے شکنجے میں پھنس جاتا ہے۔ اس صورتحال میں ریاست کی داخلی اور خارجی خود مختاری سلب ہو کر رہ جاتی ہے۔

سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور خلفائے راشدین کے دور میں احتساب

اسلامی ریاست کے انتظامی خدوخال اور اس کے ادارہ جاتی ڈھانچے کا مطالعہ اس وقت تک نامکمل رہتا ہے جب تک ان فکری اور نظریاتی بنیادوں کا ادراک نہ کر لیا جائے جن پر یہ پوری عمارت کھڑی ہے۔ جدید دور کے ریاستی نظاموں میں احتساب کو ایک ظاہری اور قانونی عمل سمجھا جاتا ہے جس کا انحصار پولیسنگ اور آڈٹ کے نظام پر ہوتا ہے۔ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے احتساب کا جو تصور پیش کیا اس کی ابتدا انسان کے باطن سے ہوتی ہے۔ اسلامی احتساب کا یہ امتیازی وصف ہے کہ یہ بیرونی دباؤ کا محتاج نہیں بلکہ یہ فرد کے اندر ایک ایسا اخلاقی اور روحانی شعور بیدار کرتا ہے جو اسے خلوت اور جلوت، دونوں حالتوں میں قانون کا پابند بناتا ہے۔ انسان کا ضمیر ہی اس کا سب سے بڑا محتسب بن جاتا ہے۔ قرآنِ مجید نے انسانی فلاح کو اسی باطنی تطہیر اور خود احتسابی کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ پروردگارِ عالم کا واضح فرمان ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل (قیامت) کے لیے کیا آگے بھیجا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ ان تمام کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔"[19]

یہ قرآنی اصول اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ریاستی یا معاشرتی فلاح کا خواب اس وقت تک شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا جب تک کہ ریاست کا ہر فرد، بالخصوص صاحبِ اقتدار، اپنے نفس کی اصلاح نہ کر لے۔ انسان کا اپنے اعمال کا خود جائزہ لینا اور ریاستی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں اپنی کوتاہیوں کا محاسبہ کرنا تزکیۂ نفس کی بنیاد ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے اصحاب کی ایسی تربیت فرمائی کہ خود احتسابی ان کی فطرتِ ثانیہ بن گئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

الْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنَّى عَلَى اللَّهِ

"عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور موت کے بعد آنے والی زندگی کے لیے عمل کرے، اور عاجز (بے وقوف) وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کے پیچھے لگا دے اور اللہ سے (مغفرت کی) جھوٹی امیدیں باندھے۔"[20]

خود احتسابی اور آخرت کا خوف احتساب کے باطنی محرکات ہیں۔ اسلام صرف باطنی اصلاح پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ ایک مضبوط خارجی احتسابی نظام کا بھی تقاضا کرتا ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں یہ نظام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کہلاتا ہے۔ یہ فریضہ انفرادی دائرے سے نکل کر جب ریاستی سطح پر منظم ہوتا ہے تو یہ حسبہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ قرآنِ مجید نے اسلامی حکومت کا بنیادی ایجنڈا اور امتِ مسلمہ کا وجودی مقصد اسی احتسابی فریضے کو قرار دیا ہے:

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

"اور تم میں سے ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے، اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔"[21]

معروف محقق اور حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو دین کا سب سے بڑا محور قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک احتساب محض حکومتی اہلکاروں کا کام نہیں بلکہ ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔ حکومتی سطح پر اس کی تنفیذ کے لیے ایک باقاعدہ نظام کا ہونا ضروری ہے تاکہ منکرات کا طاقت کے ذریعے انسداد کیا جا سکے[22]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور خلفائے راشدین کے ادوار میں اسی فکری اساس پر وہ ریاستی ادارے استوار ہوئے جنہوں نے معاشرے کے معاشی، سماجی اور انتظامی معاملات کی ہمہ گیر اصلاح کی۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں گورنروں کا احتساب اسی فکری اساس کا عملی نمونہ تھا، جہاں ان کے اثاثوں کی باقاعدہ جانچ پڑتال کی جاتی تھی تاکہ کوئی بھی سرکاری عہدیدار اپنے اختیارات کا ناجائز فائدہ اٹھا کر دولت جمع نہ کر سکے۔

عہدِ رسالت میں سرکاری عمال کی تقرری

ریاستی نظام کی کامیابی اور حکومتی پالیسیوں کے موثر نفاذ کا تمام تر انحصار ان افراد پر ہوتا ہے جنہیں ریاستی امور چلانے کے لیے منتخب کیا جاتا ہے۔ اسلامی ریاست میں حکومت اور اس کے مناصب کوئی دنیاوی انعام یا ذاتی جائیداد نہیں ہیں بلکہ یہ ایک بھاری شرعی و قانونی ذمہ داری ہیں۔ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے انتظامی عہدوں پر تقرری کے لیے ایسے ناقابلِ تغیر اصول وضع فرمائے جو ہر دور کے ریاستی نظام کے لیے مینارۂ نور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کسی بھی شخص کو حکومتی منصب پر فائز کرنے کے لیے میرٹ کے دو بنیادی ستون مقرر کیے گئے جنہیں قوت (صلاحیت و قابلیت) اور امانت (دیانت داری و تقویٰ) کہا جاتا ہے۔ قرآنِ مجید نے بہترین عامل کی یہی دو صفات بیان فرمائی ہیں:

إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ

"بیشک بہترین شخص جسے آپ اجرت پر (کام کے لیے) رکھیں وہ ہے جو طاقتور (اہل) اور امانت دار ہو۔"[23]

محض ذاتی تقدس یا درویشی منصبِ حکومت کے لیے کافی نہیں ہوتی، انتظامی گرفت اور فیصلہ سازی کی قوت بھی ناگزیر ہے۔ جلیل القدر صحابی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے ایک ریاستی منصب کی درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کے تقویٰ کا پورا احترام کرنے کے باوجود ان کی انتظامی ناتوانی کی وجہ سے انہیں عہدہ تفویض کرنے سے انکار فرمادیا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کے کندھے پر ہاتھ مار کر ایک عظیم الشان انتظامی اصول واضح فرمایا:

يَا أَبَا ذَرٍّ، إِنَّكَ ضَعِيفٌ، وَإِنَّهَا أَمَانَةٌ، وَإِنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَنَدَامَةٌ، إِلَّا مَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا، وَأَدَّى الَّذِي عَلَيْهِ فِيهَا

"اے ابوذر! تم (انتظامی لحاظ سے) کمزور ہو، اور یہ (عہدہ) ایک امانت ہے، اور یہ قیامت کے دن رسوائی اور ندامت کا سبب ہوگا، سوائے اس شخص کے جس نے اسے اس کے حق کے ساتھ لیا اور اس میں جو اس کی ذمہ داری تھی اسے پوری طرح ادا کیا۔"[24]

سیرتِ طیبہ کا ایک حیران کن اور کلیدی اصول یہ ہے کہ جو شخص کسی سرکاری عہدے کا خود طالب ہو یا اس کے حصول کے لیے حرص دکھائے، اسے وہ عہدہ ہرگز نہیں دیا جائے گا۔ جدید جمہوری نظام میں لوگ کروڑوں روپے خرچ کر کے اقتدار تک پہنچنے کی مہم چلاتے ہیں جو بالآخر کرپشن پر منتج ہوتی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبیلے کے دو افراد نے حکومتی عہدے کی خواہش کا اظہار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے صریح الفاظ میں اس مہم جوئی کا راستہ بند کر دیا:

إِنَّا وَاللَّهِ لاَ نُوَلِّي عَلَى هَذَا العَمَلِ أَحَدًا سَأَلَهُ، وَلاَ أَحَدًا حَرَصَ عَلَيْهِ

"خدا کی قسم! ہم اس کام (حکومتی عہدے) پر کسی ایسے شخص کو ہرگز مقرر نہیں کرتے جو اسے مانگے، اور نہ ہی کسی ایسے شخص کو جو اس کا لالچ رکھے۔"[25]

مالیاتی شفافیت اور جوابدہی کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے سرکاری اموال کی حفاظت کے لیے ایسے سخت قوانین قائم فرمائے جو آج بھی شفافیت کا اعلیٰ ترین معیار ہیں۔ عہدیداروں کو ان کے منصب کی وجہ سے ملنے والے تحائف کو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خالصتاً رشوت اور خیانت قرار دیا۔ حضرت عبداللہ بن لتبیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشہور واقعہ احتساب کی تاریخ کا روشن باب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے انہیں بنو سلیم کے صدقات وصول کرنے کے لیے عامل مقرر کیا۔ وہ جب واپس آئے تو انہوں نے بیت المال کا مال الگ کیا اور کچھ مال اپنے پاس رکھ کر کہنے لگے کہ یہ مجھے تحفے میں ملا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے منبر پر جلوہ افروز ہو کر اس بدعنوانی کی جڑ کاٹ دی اور مفادات کے ٹکراؤ کا شاندار حل پیش کیا:

مَا بَالُ عَامِلٍ أَبْعَثُهُ فَيَقُولُ: هَذَا لَكُمْ وَهَذَا أُهْدِيَ لِي، أَفَلاَ قَعَدَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ، أَوْ فِي بَيْتِ أُمِّهِ حَتَّى يَنْظُرَ أَيُهْدَى إِلَيْهِ أَمْ لاَ

"اس عامل کا کیا حال ہے جسے میں کام پر بھیجتا ہوں تو وہ آکر کہتا ہے کہ یہ تمہارا (بیت المال کا) ہے اور یہ مجھے تحفہ دیا گیا ہے؟ وہ اپنے باپ یا ماں کے گھر کیوں نہ بیٹھا رہا تاکہ وہ دیکھتا کہ کیا (اس کے عہدے کے بغیر) بھی اسے تحفہ دیا جاتا ہے یا نہیں؟"[26]

یہ حدیث موجودہ دور کے بیوروکریٹس اور سیاستدانوں کے لیے ایک کھلا انتباہ ہے جو اپنے عہدے کی آڑ میں قیمتی تحائف، پلاٹس اور دیگر مراعات وصول کرتے ہیں اور اسے اپنا قانونی حق گردانتے ہیں۔

Institute for Excellence in Education & Research

سفارش، رشوت اور اقربا پروری

اسلامی ریاست کے احتسابی نظام کا درخشاں پہلو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے قانون کی بالادستی اور عدل و انصاف کا ایک ایسا بے لاگ نظام قائم کیا جس میں حاکم اور محکوم، امیر اور غریب سب ایک ہی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ اسلام کا تصورِ مساوات کوئی کھوکھلا سماجی نعرہ نہیں بلکہ ایک قطعی دستوری اصول ہے۔ قرآنِ مجید نے عدل قائم کرنے کا حکم دیتے ہوئے رشتے داری، امارت اور غربت کی تمام رکاوٹوں کو مسترد کر دیا ہے۔ قرآنی تعلیمات کے مطابق قانون کے سامنے جذبات اور مفادات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ فرمانِ ربانی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَى بِهِمَا

"اے ایمان والو! انصاف پر مضبوطی سے قائم رہنے والے اور اللہ کے لیے گواہی دینے والے بن جاؤ، خواہ یہ گواہی تمہاری اپنی ذات، یا والدین، یا قرابت داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ فریقِ مقدمہ خواہ امیر ہو یا غریب، اللہ ان دونوں کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے۔"[27]

اقربا پروری اور سفارش احتسابی نظام کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہیں۔ نااہل افراد کا محض سیاسی تعلقات کی بنا پر اہم مناصب پر فائز ہو جانا یا مجرموں کا سفارش کے زور پر سزا سے بچ جانا ریاست کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیتا ہے۔ رشوت کسی بھی ریاستی اور عدالتی نظام کو دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہے۔ فیصلے اور ریاستی خدمات جب دولت کے عوض بکنے لگیں تو غریب کا حق مارا جاتا ہے اور قانون دولت مندوں کی لونڈی بن جاتا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ میں رشوت لینا، دینا اور اس کے درمیان واسطہ بننا سب حرام اور کبیرہ گناہوں میں شامل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس لعنت پر سخت ترین الفاظ میں تنبیہ فرمائی ہے:

لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔"[28]

نظامِ عدل کی فراہمی میں قاضی کی خود مختاری اور حکمرانِ وقت کا قانون کے سامنے جھکنا اس ماڈل کی معراج ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے قانون کی بالادستی کو قائم کرنے کے لیے عملی طور پر خود کو اور اپنے اہلِ بیت کو ریاستی قانون کے سامنے پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ کے آخری ایام میں منبر پر جلوہ گر ہو کر وہ تاریخی خطبہ دیا جو عالمی تاریخ میں قانون کی حکمرانی کا عظیم ترین چارٹر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ كُنْتُ جَلَدْتُ لَهُ ظَهْرًا فَهَذَا ظَهْرِي فَلْيَسْتَقِدْ مِنْهُ، وَمَنْ كُنْتُ شَتَمْتُ لَهُ عِرْضًا فَهَذَا عِرْضِي فَلْيَسْتَقِدْ مِنْهُ، وَمَنْ كُنْتُ أَخَذْتُ لَهُ مَالًا فَهَذَا مَالِي فَلْيَأْخُذْ مِنْهُ

"جس کسی کی پیٹھ پر میں نے کوڑے مارے ہوں، تو یہ میری پیٹھ حاضر ہے، وہ مجھ سے بدلہ لے لے۔ جس کی میں نے آبروریزی کی ہو، تو یہ میری آبرو حاضر ہے، وہ مجھ سے بدلہ لے لے۔ اور جس کا میں نے مال لیا ہو، تو یہ میرا مال حاضر ہے، وہ اس میں سے لے لے۔"[29]

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ اس مساوات اور عدل کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب ریاست کے امراء اور حکام خود کو قانون کا پابند بنا لیتے ہیں تو رعایا خود بخود نظم و ضبط کی عادی ہو جاتی ہے۔ وہ واضح کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انصاف پر مبنی ریاست کو باقی رکھتا ہے اگرچہ وہ کافر ہو، اور ظالم ریاست کو مٹا دیتا ہے اگرچہ وہ مسلمان ہو[30]۔ عدل کا یہ بے لاگ نظام ہی ریاست کے استحکام اور معاشرتی امن کا واحد ضامن ہے۔ جب تک جدید ریاستیں احتساب کو اس کی حقیقی روح کے ساتھ نافذ نہیں کرتیں، تب تک گڈ گورننس اور فلاحی ریاست کا قیام محض ایک سراب رہے گا۔

نتائج بحث

زیر نظر تحقیقی مطالعے میں جدید ریاستی مسائل اور سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم و خلفائے راشدین کے احتسابی ماڈل کے تفصیلی جائزے کے بعد جو حقائق سامنے آئے ہیں، ان کی روشنی میں درج ذیل نتائج روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئے ہیں:

- ریاستی اقتدار اور حکومتی مناصب شریعتِ اسلامیہ کی رو سے محض مادی استحقاق نہیں بلکہ ایک کڑی الٰہی امانت ہیں جن کا حساب دینا ہر حکمران پر لازم ہے۔
- جدید ریاستوں میں احتسابی نظام کی ناکامی کی بنیادی وجہ مادی وسائل کی کمی نہیں، بلکہ وہ اخلاقی زوال اور سیاسی مداخلت ہے جس نے اداروں کو مفلوج کر دیا ہے۔
- موجودہ دور کے مقتدر طبقات نے قانون کو اپنے مفادات کے تابع کر کے احتساب کو معاشرتی اصلاح کے بجائے سیاسی حریفوں کو دبانے کا آلہ بنا دیا ہے۔
- اسلامی احتساب کا نقطۂ آغاز انسان کی باطنی تطہیر اور خوفِ خدا سے ہوتا ہے، جو خلوت و جلوت میں اسے ہر قسم کی خیانت سے باز رکھتا ہے۔
- ریاستِ مدینہ میں قانون کی مساوی عملداری ایک ایسا امتیازی وصف تھا، جس میں امیر اور غریب کی تفریق کے بغیر طاقتور ترین عہدیدار سے بھی سرِعام حساب لیا جاتا تھا۔
- جب احتساب کا نظام کمزور پڑتا ہے اور اقرباپروری جنم لیتی ہے، تو قومی وسائل کی لوٹ مار بڑھ جاتی ہے جس سے معاشرے کا ادارتی اعتماد مکمل طور پر منہدم ہو جاتا ہے۔

سفارشات و تجاویز

موجودہ ریاستی اور انتظامی بحرانوں کے مؤثر تدارک اور ایک شفاف نظامِ حکومت کے قیام کے لیے، سیرتِ طیبہ کی روشنی میں درج ذیل عملی سفارشات پیش کی جاتی ہیں:

- احتسابی اداروں کو حکومتِ وقت کے سیاسی کنٹرول سے مکمل آزاد کر کے ان کے سربراہان کا تقرر خالصتاً میرٹ پر ایک خود مختار کمیشن کے ذریعے کیا جائے۔
- تمام سرکاری ملازمین اور سیاست دانوں کے لیے تقرری اور سبکدوشی کے وقت اثاثہ جات کی کھلی ڈیکلریشن اور "من أین لک ھذا" (یہ مال کہاں سے آیا) کا اصول لازمی قرار دیا جائے۔
- مفادات کے ٹکراؤ کو روکنے کے لیے سرکاری عہدیداروں پر دورانِ ملازمت ہر قسم کے تحائف، مراعات اور تجارتی رعایتیں وصول کرنے پر مکمل قانونی پابندی عائد کی جائے۔
- معاشرے سے وی آئی پی کلچر کے خاتمے کے لیے صدر، وزیر اعظم اور بیوروکریٹس سمیت تمام اعلیٰ ریاستی عہدیداروں کو حاصل ہر قسم کا آئینی استثنیٰ فوری طور پر کالعدم قرار دیا جائے۔
- آمدن سے زائد اثاثوں کے مقدمات میں ثبوت فراہم کرنے کی قانونی ذمہ داری (Burden of Proof) ریاست کے بجائے براہِ راست متعلقہ سرکاری عہدیدار پر ڈالی جائے۔
- سول سروسز اور ٹریننگ اکیڈمیوں کے نصاب میں سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے انتظامی و اخلاقی نمونوں کو شامل کیا جائے تاکہ عہدیداروں میں امانت داری کا جذبہ پیدا ہو۔
- احتسابی نظام کو مؤثر بنانے کے لیے ایسے سخت قوانین وضع کیے جائیں جن کی زد میں سب سے پہلے مقتدر اشرافیہ آئے، تاکہ قانون کی بالادستی پر عوام کا اعتماد بحال ہو سکے۔

حوالہ جات

[1] An-Nisa: 58

[2] النساء، 58:4

[3] الاشبیلی، عبد الرحمن بن محمد ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون (بیروت: دار الفکر، 2001ء)، 286

[4] اقبال، محمد، بالِ جبریل (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1990ء)، 152

[5] الافریقی، محمد بن مکرم ابن منظور، لسان العرب (بیروت: دار صادر، 1414ھ)، جلد 1، صفحہ 314

[6] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری (بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ)، کتاب الایمان، باب صوم رمضان احتسابا من الایمان، حدیث:38

[7] الماوردی، ابو الحسن علی بن محمد، الأحکام السلطانیۃ والولایات الدینیۃ (قاہرہ: دار الحدیث، 2006ء)، 315

[8] Husain, Ishrat, Governing the Ungovernable: Institutional Reforms for Democratic Governance (Karachi: Oxford University Press, 2018), 215

[9] الحرانی، تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ (قاہرہ: دار البیان، 1985ء)، 25

[10] علی، ذیشان، "White-Collar Crime Investigating and Prosecuting Agencies in Pakistan," Pakistan Journal of Social Issues 15 (2024): 98

[11] Sutherland, Edwin, White-Collar Crime (New York: Dryden Press, 1949), 9

[12] Basel Institute on Governance, Analysis of the Anti-Corruption Rules in Pakistan (Basel: Basel Institute, 2025), 45

[13] "Exploring the Underpinnings of Plea Bargaining: An In-Depth Policy Dimension Analysis," NIPA Peshawar Journal 22, no. 2 (2023): 112

[14] النساء، 135:4

[15] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری (بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ)، کتاب الحدود، باب کراہیۃ الشفاعۃ فی الحد إذا رفع إلی السلطان، حدیث:3475

[16] الحشر، 7:59

[17] البیہقی، احمد بن الحسین، شعب الایمان (ریاض: مکتبۃ الرشد، 2003ء)، باب فی التعفف والتطوع، حدیث:6188

[18] الاشبیلی، عبد الرحمن بن محمد ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون (بیروت: دار الفکر، 2001ء)، 288

[19] الحشر، 18:59

[20] الترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی (بیروت: دار الغرب الاسلامی، 1998ء)، کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع، حدیث:2459

[21] آل عمران، 104:3

[22] الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد، إحیاء علوم الدین (بیروت: دار المعرفۃ، 1983ء)، جلد 2، صفحہ 306

[23] القصص، 26:28

[24] نیشاپوری، مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم (بیروت: دار إحیاء التراث العربی، بے تاریخ)، کتاب الإمارۃ، باب کراھۃ الإمارۃ بغیر ضرورۃ، حدیث:1825

[25] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری (بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ)، کتاب الاحکام، باب مایکرہ من حرص الإمارۃ، حدیث:7149

[26] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری (بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ)، کتاب الاحکام، باب ھدایا العمال، حدیث:7159

[27] النساء، 135:4

[28] الترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی (بیروت: دار الغرب الاسلامی، 1998ء)، ابواب الاحکام، باب ماجاء فی الراشی والمرتشی، حدیث:1337

[29] الشیبانی، احمد بن محمد ابن حنبل، مسند احمد بن حنبل (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 2001ء)، حدیث:2689

[30] الحرانی، تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی (مدینہ منورہ: مجمع الملک فہد، 1995ء)، جلد 28، صفحہ 63

IEER Institute for Excellence in Education & Research